انقلابِ روس: سیاسی و ادبی تموّج

ڈاکٹر آصف علی چٹھہ

Abstract:

Social and Political revolution of the Soviet Union left a deep impact on literary world. A large number of writers were attracted by the socialist ideology which became a fashionable creed of progressive writers in the early twentieth century. It inspired the "Progressive Movement" of Urdu literature which had for its aim the awakening of the reader's conscience against the social evils of poverity, oppression and exploitation. Writers's love of the proletariat and thier anti imperialist stand are clearly reflected in their works. Especially the poets of the slave Hindustan hoped of a new dawn,born out of the socialist ideology of Soviet Russia.Besides a very brief history of Soviet revolution an analytical study of Russian and Urdu poetry with special refrence to revolution has been given throuhg this article.

شمالی ایشیا اور شمالی یورپ میں واقع روس کی حدود بحیرہ آرکٹک، شمالی بحر اوقیانوس اور بحر اسود سے ملتی ہیں۔ The World Encyclopedia کے مطابق یونین آف سوویت سوشلسٹ ری پبلک (یو۔ایس۔آر) کا قیام 30 دسمبر 1922ء میں ایک وفاق کے طور پر ہوا۔اپنے عروج کے دور میں سوویت یونین دنیا کا سب سے بڑا ملک تھا (بلحاظ رقبہ)۔یہ دو عالمی سپر پاورز (عظیم طاقتیں) میں سے ایک تھا۔اس وقت سوویت یونین کا کل رقبہ بلحاظ علاقہ سوا دو کروڑ مربع کلومیٹر کے لگ بھگ تھا۔یعنی یہ ملک رقبے کے لحاظ سے بھارت سے 7 گنا اور امریکہ سے تقریباً دو گنا بڑا تھا۔کرۂ ارض کے تقریباً چھٹے حصے (زمینی رقبہ) پر سوویت یونین قابض تھا اور اس میں دنیا کے کل چوبیس ٹائم زونز (نظام الاوقات) میں گیارہ ٹائم زونز آتے تھے۔سوویت یونین دنیا کی طویل ترین ساحلی پٹی اور طویل ترین زمینی سرحدوں کا مالک تھا۔آج سوویت یونین روس کہلاتا ہے لیکن رقبے کے لحاظ سے اب بھی دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ [1]

انقلاب روس (1917ء) تک روس پر رومانوف خاندان کی حکمرانی رہی جو زار کہلاتے تھے۔ یہ خاندان 1613ء سے برسر اقتدار چلا آ رہا تھا۔ روس کو ایران کی طرح 1917ء کے انقلاب سے پہلے 1905ء میں بھی ایک انقلاب کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں زار نکولس دوئم کو آئین کی تشکیل اور آئینی طور پر منتخب ادارے ڈوما کی تشکیل کرنی پڑی۔

ڈیرک اوبرائن کے بقول 1917ء کے انقلاب کی جڑیں پیٹرو براگ (اب سینٹ پیٹرز برگ) میں خوراک کی قلت کے باعث ہونے والی بغاوت میں تھیں۔ زار نکولس دوئم کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور یوں روس پر رومانوف خاندان کی تین سو سالہ حکمرانی کا عہد اپنے اختتام کو پہنچا۔ بالشوک انقلابی لوگ اقتدار میں آ گئے۔ انقلاب کے بعد روسی حکومت کا پہلا سربراہ بالشوک روسی کمیونسٹ پارٹی کا بانی
ولادی میر ایلچ اولیانوف المعروف لینن تھا۔ لینن نے 1924ء میں اپنی موت تک ملک پر حکومت کی۔ 1924ء میں لینن کی موت کے بعد کمیونسٹ پارٹی میں جوزف سٹالن اور لیون ٹراٹسکی کے درمیان اختیارات اور اقتدار کی لڑائی شروع ہوگئی۔ ٹراٹسکی کو آفس آف کومیسر آف وار نے برطرف کر کے 1929ء میں ملک سے جلاوطن کر دیا۔ 1940ء میں اسے میکسیکو سٹی میں قتل کر دیا گیا۔[۲]

سٹالن نے اپنے اقتدار پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے ایسے اقدامات اٹھائے جن سے اس کے حریفوں اور باغیوں کا صفایا ہوگیا۔ 1941ء میں سٹالن وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوگیا۔ یونین آف سوویت سوشلسٹ ری پبلک (یو ایس ایس آر) کا قیام 30 دسمبر 1922ء میں ایک وفاق کے طور پر ہوا۔ کمیونسٹ پارٹی آف سوویت یونین کی قیادت میں اس ملک میں آمرانہ اتھاریٹیرین اور انتہائی مرکزیت کا حامل سیاسی اور معاشی نظام رائج تھا۔ ملک کی معاشی بنیاد یہ تھی کہ ملک کے تمام ذرائع پیداوار، تقسیم اور تبادلہ سوشلسٹ ملکیت میں تھا اور ملک کے تمام شہری اس کے مالک تھے۔ دنیا میں امریکہ اور سوویت یونین پر مشتمل دو عالمی طاقتوں کی موجودگی میں عالمی سطح پر طاقت کا دو قطبی ڈھانچہ تشکیل پایا اور دونوں طاقتوں میں سرد جنگ کا باعث بنا۔ مشرقی یورپ میں کمیونسٹ حکومتوں کے قیام، وارسا معاہدے کی تشکیل اور یورپ سے باہر چین کیوبا، اور شمالی کوریا میں کمیونسٹ حکومتوں کے قیام سے سوویت یونین کے کاز کو جلا ملی۔ [۳]

1979ء میں سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کر دیا لیکن بالآخر 10 سال بعد 1989ء میں سوویت یونین کو افغانستان سے نکلنا پڑا۔ 1990ء میں سوویت صدر گورباچوف نے گلاسناسٹ Glasnost (کھلے پن) اور پریسٹرائیکا Prestroika (تنظیم نو) کی پالیسیاں متعارف کرائیں۔ ریاستوں کو کچھ آزادیاں دیں تو یہ ریاستیں مکمل آزادی کے لیے جدوجہد میں مصروف ہوگئیں اور بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ 1991ء میں سوویت یونین تحلیل ہوگئی اور گورباچوف نے ملک کی صدارت سے استعیفا دے دیا۔

سوویت یونین سے آزاد ہونے والی ریاستوں میں قازقستان سب سے بڑی ریاست ہے جس کا رقبہ پاکستان سے 9 گنا زیادہ ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں زار روس نے اس پر قبضہ کر کے اسے روسی سلطنت کا

حصہ بنا لیا تھا۔ 1936ء میں قازقستان باقاعدہ طور پر سوویت یونین کا حصہ بن گئی۔ 1930ء میں سٹالن کے حکم پر ان کا قومی تشخص ختم کرنے کے لیے قازقستان کے مسلمان شعرا، ادیبوں، مورخین اور فلسفیوں کی ایک بڑی تعداد کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ قازقستان کا سابقہ دارالحکومت الماتے تھا لیکن سوویت یونین سے آزادی کے بعد آستانہ منتقل کر دیا گیا۔ سوویت یونین سے آزادی حاصل کرنے والی دیگر ریاستوں میں ازبکستان، آذربائیجان، تاجکستان، ترکمانستان، قازقستان، کرغیزستان، یوکرائن اور لتھوانیا شامل ہیں۔

1897ء میں روس میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ 1905ء کی جنگ میں روس کو جاپان سے شکست ہوئی جس کے نتیجے میں روس کے اندر زارنکولس دوئم کی سخت مخالفت شروع ہوگئی۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی اور عوامی دباؤ کے تحت زارکو روس میں آئین کی تشکیل کرنی پڑی۔ یہ عوام کی بہت بڑی جمہوری فتح تھی۔ 1905ء کے انقلاب نے نہ صرف روس بلکہ قرب وجوار کے ممالک کو بھی رہنمائی فراہم کی۔

لینن نے 1905ء کے انقلاب کے متعلق اپنی ایک تقریر میں کہا۔

> ''جغرافیائی، معاشی اور تاریخی اعتبار سے روس صرف یورپ ہی میں نہیں بلکہ ایشیا میں بھی شامل ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ روسی انقلاب کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے کہ اس نے یورپ کے سب سے زیادہ پس ماندہ ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خواب غفلت سے چونکا کر اسے بھرپور بیداری اور جاگرتی عطا کی اور ایک انقلابی قوم کو جنم دیا جس کی رہبری انقلابی پرولتاریہ کرتا ہے اس انقلاب کی دین صرف یہی نہیں ہے۔ روسی انقلاب نے تو پورے ایشیا میں زندگی کی لہر دوڑا دی ہے۔ ترکی، ایران اور چین کے انقلاب اس بات کا ثبوت ہیں کہ 1905ء کی عظیم الشان بغاوت نے بڑے گہرے نشان چھوڑے ہیں اور اس کا اثر جو لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی بڑھتی ہوئی تحریک میں ظاہر ہو رہا ہے، بے حد گہرا اور امٹ ہے۔'' ؎۴

اگرچہ 1917ء کے انقلاب کا آغاز سینٹ پیٹرز برگ میں خوراک کی قلت کے باعث ہونے والی بغاوت تھی لیکن لینن کی راہنمائی میں کیمونسٹ پارٹی نے روس کے مزدوروں، کسانوں اور عام شہریوں کو منظم کیا یہاں تک کہ زار کو حکمرانی سے دستبرداری کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ عبداللہ دملک 1917ء کے انقلاب میں کیمونسٹ پارٹی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لینن اور اس کی کیمونسٹ پارٹی نے روس کی زار شاہی جنگی کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے تحریک چلائی اور بالآخر ایک وقت آیا جب لینن کی راہنمائی میں سامراجی دنیا کا ایک بہت بڑا ستون دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ لیکن اس ستون کو گرانے کے لیے لینن کی قیادت میں کیمونسٹ پارٹی نے جو عدیم المثال جنگ لڑی وہ آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آزادی حاصل کرنے والی قوموں کے لیے، جو انقلاب کے لیے مصروفِ پیکار ہیں، مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے۔ ؎۵

1917ء کے انقلاب روس کے بعد لینن اور اسٹالن نے سوویت روس کی روحِ جمہوریت قبض کر لی۔ آزادی اظہار چھین لی گئی۔ سیاسی اور نظریاتی مخالفین پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ لاکھوں لوگ انقلاب کی تیغ ستم کا

نشانہ بن گئے۔ بہت سے لوگوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ طریق کوہکن نے تمام پرویزی حیلے بدترین شکل میں استعمال کیے۔

Alexander N. Yokovlev نے اپنی مشہور کتاب A Century of Violence in Soviet Russia میں اس پر مفصل اظہار کیا ہے:

> "The Mills of terror seized not only on social classes and groups. The peasantry, the nobility, Cossacks, merchants, the Army, The clergy-but on whole peoples, who were forcibly deported to the farnorth and Siberia, to Kazakhstan and central Asia. In the tragic fate of poles, Crimean Tatars, Volga Germans, Chechens, Ingush, Kalmyhs, Balkars, Karachayeves, Turko- Meskhetins, Kareans, Finns, Inger manlanders, as well as Armenians, Bulgarians, Gagauzys, Greeks, Kurds, and many others, Bolshevik facism reveled itself in perhaps its most transparent form, exposing the chauvinist basis of its policy. Long hidden in archives, documents tracing Bolshevism's crimes against these many people now make it possible to present the full sweep of the tragedy of Soviet society's degradation. ۶

چونکہ ہر انقلاب میں مزاحمتی ادب نے اپنا کردار ادا کیا ہے لہٰذا اس نقطہ نظر سے جب ہم روسی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ماضی بعید میں کوئی روشن روایت نظر نہیں آتی۔ محمد مجیب روسی ادب کی تاریخ وارتقا پہ بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح معنوں میں روسی ادب کی کوئی تاریخ نہیں۔ اس کی صورت ایسے باغ کی نہیں ہے جس میں باغبان نے شوق اور نزاکت احساس سے ترتیب قائم کی ہو۔ وہ ایک خود رو جنگل ہے جس میں ہر پودا اور ہر پھول اپنی طبیعت کے زور سے اگا ہے اور اپنی خوبیاں نمایاں کرنے کے لیے کسی غور و پرداخت یا قدردانی کا احسان مند نہیں۔ ۷

دراصل ابتدائی روسی ادب چند مذہبی واعظ یا مذہبی خطبات یا اسفار کے تذکروں پر مشتمل ہے جو زیادہ قدر و قیمت کا حامل نہیں ہے اور بقول پروفیسر وہاب اشرفی تاریخ ادبیات عالم میں روسی ادب کی شناخت ٹالسٹائی، دوستوئفسکی جیسے عظیم فنکاروں کے تخلیقی کارناموں کے سبب قائم ہوتی ہے لیکن یہ فنکار انیسویں صدی کے نصف آخر

کی پیداوار ہیں، ان سے قبل گوگول اور پشکن نے اپنی نگارشات سے روسی زبان کو ایک معیار اور اعتماد بخشا تھا لیکن یہ فنکار بھی 19 ویں صدی کے تھے۔ ان سے قبل روسی ادب کا فلک بے نور ہی نظر آتا ہے۔ ۸؎ بہرحال پشکن نے می خائل وسل یوچ لومونو سوف (۱۷۱۲۔ ۱۷۶۵ء) کو پہلا روسی دارلعوام قرار دے کر اسے روسی ادب کا قافلہ سالار تسلیم کیا ہے ۹؎ لیکن ادبی دنیا میں روس کا پہلا نمائندہ الکساندر سرگے یوچ پشکن (پ ۱۷۹۹ء) ہی ہے۔ ۱۰؎ جس کو زمانہ طالب علمی ہی میں روس کے جنوبی صوبوں میں، حکومت وقت کے حکم سے جلاوطن کر دیا گیا کیونکہ اس نے آزادی کی مدح میں اور آزادی کا ولولہ پیدا کرنے کے لیے چند نظمیں لکھ ڈالیں تھیں جو نازک مزاج شناہوں کی طبیعت پر ناگوار گزری تھیں۔ ۱۱؎ پشکن کے بعد میخائل لیرمنتوف (۱۸۴۱ء ۔۱۸۱۱ء) نے آمریت اور شہنشائیت کے خلاف جذبہ آزادی کو مہمیز لگانے والی شاعری سے روسی ادب کو وقار بخشا۔ اور بعدازاں کوندراتی ئ فیوڈور ووچ ریل یے یف (۱۷۹۵ء۔ ۱۸۲۶ء) حب الوطنی اور آزادی پسندی میں پشکن اور لیرمنتوف کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔ وہ نپولین کے خلاف لڑی جانے والی آخری جنگ میں بھی شریک ہوا۔

روس میں ۱۹۱۷ء کے بولشوک انقلاب میں الیگزنڈر بلوک (Alexander Blok) (۱۸۸۰ء۔۱۹۲۱ء) کی آواز انقلاب کے نقیب کی صورت میں سنائی دیتی ہے۔ اس نے ۱۹۰۵ء کے انقلاب میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا اور بقول محمد علی صدیقی بلوک کے افکار ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے بہت پہلے انقلابی فضا کے کام کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ ۱۲؎

بقول محمد مجیب بلوک کی نظمیں مایوسی اور امید کی آمیزش کا نمونہ ہیں۔ ۱۹۰۵ء کے انقلاب کی ناکامی شاید بلوک کے ہاں مایوسی کو جنم دینے کا سبب بنتی ہے لیکن روسی معاشرے میں تغیر اور انقلاب کی امید ہمیشہ ایک لہر کی صورت میں بلوک کے کلام میں جاری وساری نظر آتی ہے۔

دنیا کی اس تاریکی پر جو صدیوں سے چھائی ہوئی تھی
اس تاریکی پر جنگی نعروں کے جواب میں آسمان پر
ایک نئی قوت کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے
ہم جو صرف رات کے اندھیرے اور طوفان سے آشنا ہیں
اس شاہانہ جلوے کے دیدار کی تاب نہ لا سکیں گے ۱۳؎

انقلاب کے زمانے کا ادبی کارنامہ بلوک کی نظم ''بارہ سوار'' ہے جس کا اکیس مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس نظم میں بلوک نے صرف انقلاب کی روحانی اہمیت نہیں جتائی ہے بلکہ شاعری کا ایک کرشمہ دکھایا ہے۔ ۱۴؎

محمد مجیب روسی ادب میں لکھتے ہیں:

> ''بلوک کے علاوہ ان تمام شاعروں نے جن میں وطن پرستی کی ذرا بھی گدگدی تھی اپنے اپنے طرز پر انقلاب سے ہمدردی اور ان مصیبتوں پر افسوس ظاہر کیا جو انقلابیوں اور روس کی عام آبادی کو اس تحریک کے کامیاب بنانے کے لیے اٹھانی پڑیں، لیکن بلوک کے پائے کو کوئی

نہیں پہنچا۔" ۱۵

آنا آخما توو ا (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۶۶ء) روس کی ایک عظیم شاعرہ تھیں۔ وہ روس کی حقیقی آزادی اور حقیقی انقلاب کی خواہش مند تھیں لیکن انقلاب روس کے بعد انہیں انقلاب کے منفی عوامل کا ساتھ دینے کے الزام میں سزا کا مستحق گردانا گیا۔ سٹالن کے دور میں جب ادیبوں اور شاعروں پر کڑے دن تھے آنا آخما توو ا کی زندگی کی تلخیاں مزید بڑھ گئیں۔ ان کو رائٹرز یونین سے نکال دیا گیا۔ ان کے بیٹے کو پہلے جلاوطن اور پھر کیمپ جیل میں قید کر دیا گیا۔ سٹالن کی وفات کے بعد قدرے آرام ملا لیکن وہ اپنے وطن کی خوشحالی اور آزادی کے لیے دست بدعا رہیں۔

برسوں بیمار رکھ کر میری زندگی تلخ کر دے
مجھے سانس کے روگ میں مبتلا کر دے، میری نیند چھین لے، مجھے گرمی میں جلا
اولاد اور دوست سے محروم کر دے
نغمہ سرائی کی پراسرار نعمت واپس لے لے،
لیکن اے خدا، میری یہ دعا بھی قبول کر لے
کہ اتنے دنوں تکلیف دینے اور تڑپانے کے بعد
وہ بادل جو تاریک روس پر چھایا ہوا ہے
آخر کار آفتاب کی شعاعوں سے چمک اٹھے ۱۶

ولادیمیر مایا کوفسکی (۱۸۹۳ء۔ ۱۹۳۰ء) نے بھی روس کی باغیانہ شاعری کی وہ تحریک جو مستقبل پسندی کے نام سے ۱۹۱۰ء میں شروع ہوئی، پر دستخط کیے تھے جس کا مقصد پچھلی تہذیبی روایت کو توڑ کر لوگوں میں نیا شعور لانا تھا۔ اس تحریک سے متاثر ہو کر کوفسکی نے مختلف نظمیں اور ایک منظوم ڈراما لکھا جس میں بغاوت کی فتح دکھائی گئی۔ لیکن تصوراتی آزادی جب عملی روپ میں سامنے آئی تو شاعر اس سے مایوس ہوتا گیا اور ۱۹۳۰ء میں اس نے خودکشی کر لی۔ ۱۷

روسی انقلاب اور انقلابی شاعری میں ہم آہنگی کا تذکرہ کریں تو مایا کوفسکی کا نام ممتاز اور منفرد اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔ مایا کوفسکی کی شاعری ادب برائے زندگی کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں ادب کو سوسائٹی کی ضرورتوں کے تابع کر دیتا ہے۔ ہنری آروون کے بقول:

> "Mayakovsky, at once a revolutionary and a lyric poet does not hesitate to walk the streets in order to acquaint the public with his "products". He does his utmost to aid the Revolution, reciting propaganda poems, writing and singing satirical songs anywhere and every where." ۱۸

انسانیت کی خیر خواہی اور ہمدردی کوفسکی کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی۔ وہ اپنی ایک نظم

''میں پیار کرتا ہوں'' میں اس جذبے کو یوں بیان کرتا ہے۔
میں جانتا ہوں جہاں دوسروں کا دل ہوتا ہے۔
سینے میں، جیسا کہ سب جانتے ہیں
لیکن میری باری آئی
تو تخلیق کا علم پاگل ہو گیا
میں تمام کا تمام دل بن گیا
جو سارے کے سارے بدن میں دھڑکتا ہے
اور مایاکوفسکی نے اپنے آپ میں سورج کو دیکھا
ہمیشہ چمکنا
اور ہر جگہ چمکنا
اور آخر تک چمکنا
یہ سورج کا پیغام ہے ۱۹

سوویت دور کی روسی شاعری کا سب سے قدآور ترجمان، ولادیمیر مایاکوفسکی وہ شخص ہے جس کی درانہ آواز، کھردرے الفاظ، سخت جھٹکے، کلاسیکی طرز سے انحراف، لب ولہجہ کی سختی و درستی، بے باکی، خطابیہ انداز، اور اپنا ایجاد کیا ہوا خاص لہردار ترنم ہی اس دور خلفشار اور عہد آزمائش کی مکمل ترجمانی کرتا ہے۔ شاعری اور انقلاب اس شاعر کے ہاں دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ دونوں کی ایک دوسرے سے آبیاری ہوتی ہے۔ ۲۰

ریل۔ یے۔ یف کی شاعری بھی وطن کی محبت سے لبریز ہے۔ اس نے یہی محبت اپنی شاعری کے ذریعے اپنے ہم وطنوں کو منتقل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کی سب سے مشہور نظم ''ووئی نروف سکی'' ہے۔ جو آزادی اور حب الوطنی کی پیام بر ہے اور بقول محمد مجیب اس کی یہ نظم سالہا سال تک روسی وطن پرستوں کے دلوں میں ہمت اور درد اور آزادی کے فدائیوں سے محبت اور ہمدردی پیدا کرتی رہی۔ ۲۱

اے پرشکوہ آزادی کے جذبے!
میری قوم کا دل تجھ سے ناآشنا ہے
اے انتقام آسمانی! میری قوم خاموش ہے
زار کے خلاف سر نہیں اٹھاتی
خودمختار ظالم آقا کی غلامی میں
وہ دائمی اطاعت سے انحراف نہیں کرتی
اس کا دل اپنا دکھ محسوس نہیں کرتا
اس کا ذہن یہ نہیں مانتا کہ وہ دکھی ہے

میں نے غلام روس کو خانہ خدا میں
مقدس شبیہ کی سامنے دیکھا:
اپنی زنجیریں کھڑکھاتا ہوا، سر جھکائے
وہ زار کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا ۲۲

اوسپ منڈل سٹام (۱۹۳۸ء۔۱۸۹۱ء) کے ہاں اپنی قوم میں جذبہ حریت کو بیدار کرنے اور انقلاب روس کی تائیدوحمایت کا مضبوط رجحان موجود ہے۔ ان کی شاعری تخلیقی سطح پر انقلاب روس کی جدوجہد کا حصہ ہے۔ اوسپ منڈل سٹام کی شاعری روسی عوام کو تحریک اور سعی وعمل کا درس دیتی ہے۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

بھائیو! آؤ آزادی کی دھندلاہٹ کا رجز گائیں
یہ عظیم دھندلا برس ہے
اور سورج! اور مصنف! اور اے لوگو
سورج کہیں نظر نہیں آتا اور دھرتی پرے لڑھک رہی ہے
خیر! کوشش کریں
زمین لڑھک رہی ہے۔ جوان مردو! حوصلہ باندھو
سمندر کو چیریں، جیسے ہل چلاتے ہیں۔ ۲۳

بعدازاں اوسپ منڈل سٹام نے اسٹالن کے بارے میں ایک طنزیہ مزاحیہ نظم لکھی جس کی پاداش میں اسے کانسنٹریشن کیمپ بھیج دیا گیا جہاں وہ مر گیا۔

وہ شعرا جو روسی انقلاب میں سرگرمی سے حصہ نہیں بھی لے رہے تھے انھوں نے انقلاب روس کے باعث ایک روشن مستقبل کے خواب دیکھے۔ دلیری بریوسوف کی نظم ''تیسری خزاں'' میں یہی ولولہ اور جوش موجود ہے۔

اے ہوا، اے ہوا، یہ یاد رکھ
کہ جھگڑوں اور بے کسی اور مفلسی کے باوجود
سارا روس تعمیر کے خوابوں سے مست
خدا کے حکم پر چلے گا اور فتح یاب ہوگا
اے ہوا، یاد رکھ کہ پرانی قوت پھر روس میں آ گئی ہے
فتحیابی کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے،
اور اس کی روز افزوں طاقت اور اقتدار
اسے دنیا کی ساری قوموں کا رہبر بنا دے گا ۲۴

علاوہ ازی یزنین، بورس پسٹرنک (Boris Pasternak)، ڈیمیان بیڈنی، الیگزینڈر بنیریمنز فسکی،

این۔ اے۔ ایسیوف، سرگئی یسنین وغیرہ ایسے شعرا نے روسی انقلاب کی بھرپور حمایت کی اور اپنے انقلابی افکار کے باعث بعض اوقات انقلابی لیڈروں کی نامناسب پالیسیوں پر بھی بے دریغ تنقید کی۔ یاروسلاف اسمبلیا کوف، عوامی شاعر، اگرچہ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے لیکن انقلاب اکتوبر ۱۹۱۷ء کی تائید اور حمایت میں نظریاتی شاعری تخلیق کی۔

روسی شاعر نی کولائی الک سے یوچ نکرا سوف (۱۸۲۱ء۔ ۱۸۷۸ء) نے کہا تھا کہ ''پیٹ پالنے کی دشواریوں نے میری شاعری کھوٹی کر دی اور شاعری نے مجھے آزادی کا مجاہد نہیں بننے دیا۔'' ۲۵ جنھوں نے انقلاب روس کی بھرپور حمایت کی، ان میں بھی ایک کثیر تعداد ان شعرا کی ہے جو شاعری کا کوئی اعلیٰ نمونہ پیش نہ کر سکے چنانچہ محمد مجیب روسی شعرا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان شاعروں نے جو انقلاب اور انقلابیوں کے خاص حامی اور مبلغ مانے جاتے ہیں اور جن کا سردا مایا کوفسکی (پ۱۸۹۳ء) ہے، تخلیل کی بلند پروازی اور ادبی کمال سے بالکل بیگانہ ہیں اور ان کی شاعری کو دراصل ادب میں شامل ہی نہ کرنا چاہیے۔ البتہ انقلاب نے نئی زندگی کی تعمیر کا سچا جوش اور حوصلہ پیدا کر دیا ہے اور یہ حوصلہ ممکن ہے رفتہ رفتہ نئے پھول کھلائے۔ ۲۶

بیسویں صدی کا ربع اول برصغیر کے مسلمانوں کے لیے سیاسی بیداری کا پیام بر ثابت ہوا۔ تقسیم بنگال، مسلم لیگ کا قیام، تنسیخ تقسیم بنگال، لکھنو پیکٹ، جنگ طرابلس و بلقان اور تحریک خلافت وغیرہ نے مسلمانوں کو منظّم اور متحد ہو کر اپنی قومی و ملی بقا کے لیے جدوجہد کرنے کا سبق دیا۔ چنانچہ دنیا بھر میں جہاں بھی تغیر اور انقلاب کی ہوائیں چلتیں مسلمان ایک گونہ خوشی محسوس کرتے اور مستقبل میں برطانوی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے خواب دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب نے برصغیر کے دانش وروں، ادیبوں اور شاعروں کو بہت متاثر کیا۔ بقول پروفیسر وہاب اشرفی:

> ''روسی فنکاروں نے اردو ادیبوں کو اپنے تصورات اور خیالات کے پس منظر میں سوچنے اور سمجھنے کی مسلسل ترغیب دی ہے۔ ترقی پسندی کا ایک بڑا سرمایہ روسی فکر کی عقبی زمین میں سامنے آیا۔ ہم اس میں لاکھ کیڑے نکالیں لیکن اتنی بات ماننی پڑے گی کہ تقریباً پچاس برسوں تک ترقی پسندی خواص و عوام کے ذہن کو متاثر کرتی رہی اور یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ روسی تصورات کی عقبی زمین میں ہندوستان کے سیاسی نعرے جنگِ آزادی میں مفید ثابت ہوئے۔'' ۲۷

چنانچہ اگر ایک طرف ایران میں عارف قزوینی اپنے ملکی تناظر میں لینن کی شان میں قصیدہ لکھتا ہے اور اسی کی روشنی میں ایرانی شہنشائیت سے بھی نجات کا متمنی ہے تو برصغیر کے مسلمان بھی انقلاب روس کی سامراج دشمنی کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ سرمایہ داری کا زوال ہی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے امید کا پیغام تھا۔ اقبال بھی اشتراکیت اور انقلابِ روس کے اسی پہلو کے متعلق پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں، میرو سلطاں سے بیزار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا [۲۸]

اقبال اپنی نظم لینن (خدا کے حضور میں) بھی لینن کی سامراج دشمنی اور محکوم و مجبور عوام کو سرمایہ دارانہ نظام سے نجات دلانے کے عمل کو پسند کرتے ہیں۔ اقبال نے لینن کی زبان سے یورپ کے تضاد اور استحصال کی خوب مذمت کی ہے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظر روزِ مکافات [۹]

ہندوستان کے مسلمان چونکہ سرمایہ پرستی کی چکی میں پس رہے تھے لہٰذا اقبال فرمانِ خدا (فرشتوں سے) میں انقلاب اور جدوجہد ہی میں مسلمانوں کی نجات کا راستہ دیکھتے ہیں۔

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے درو دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو ۳۰

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اقبال اشتراکیت کی سامراجیت کے خلاف جدوجہد کو تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن بطور ایک نظام حیات کے اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے اخلاقی اور روحانی بنجر پن پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ وہ جاوید نامہ میں جمال الدین افغانی کی زبان سے روس کو پیغام دیتے ہیں کہ تو نے ملوکیت اور سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا ہے لیکن تیری اپنی بقا اس میں مضمر ہے کہ تولا سے گزر کر اِلّا کے مقام پر آ جا اور قادرِ مطلق کے سامنے اپنی جبیں جھکا لے۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ اشتراکی نظام اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے باعث بالآخر زمیں بوس ہو گیا۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں سیاسی وسماجی صورت حال نے طلوعِ اشتراکیت کے لیے ہر محکوم خطے میں ہمدردی اور پسندیدگی کی راہ ہموار کر دی۔ سب کو اسی میں اپنے دکھوں کا مداوا نظر آیا۔ ساحر لدھیانوی کی نظم ''طلوعِ اشتراکیت'' اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے کہ تیسری دنیا کے لوگ سرخ پھریرے کو کیوں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

جشن بپا ہے کٹیاؤں میں، اونچے ایواں کانپ رہے ہیں
مزدوروں کے بگڑے تیور دیکھ کے سلطاں کانپ رہے ہیں
جاگے ہیں افلاس کے مارے، اٹھے ہیں بے بس دکھیارے
سینوں میں طوفاں کا طلاطم، آنکھوں میں بجلی کے شرارے
چوک چوک پر گلی گلی میں سرخ پھریرے لہراتے ہیں
مظلوموں کے باغی لشکر سیل صفت اُمڈے آتے ہیں
شور مچا ہے بازاروں میں، ٹوٹ گئے در زندانوں کے
واپس مانگ رہی ہے دنیا غصب شدہ حق انسانوں کے ۳۱

ساحر کی نظم ''بلاوا'' بھی سرخ سویرے کے طلوع ہونے کے بارے میں ہے۔

دیکھو دورافق کی ضو سے جھانک رہا ہے سرخ سویرا
جاگو اے مزدور کسانو! اٹھو اے مظلوم انسانو! ۳۲

ساحر کی نظم ''احساسِ کامراں'' بھی اسی احساس کی غماز ہے۔

افقِ روس سے پھوٹی ہے نئی صبح کی ضو
شب کا تاریک جگر چاک ہوا جاتا ہے
تیرگی جتنا سنبھلنے کے لیے رکتی ہے
سرخ سیل اور بھی بے باک ہوا جاتا ہے
سامراج اپنے وسیلوں پر بھروسہ نہ کرے
کہنہ زنجیروں کی جھنکاریں نہیں رہ سکتیں

جذبۂ نصرتِ جمہور کی بڑھتی رو میں
ملک اور قوم کی دیواریں نہیں رہ سکتیں ۳۳

ساحرلدھیانوی نے سرخ سویرے کا پرجوش استقبال کیا تھا لیکن جب طریق کوہکن میں بھی وہی پرویزی حیلے نظر آئے تو ان کو بھی تشویش لاحق ہوئی چنانچہ ان کی نظمیں لینن (۱۹۱۷ء) اور لینن (۱۹۷۰ء) ان کی اسی فکر کی غمازی کرتی ہیں کہ لینن نے ۱۹۱۷ء میں انسانوں کو مذہب کے فریبوں اور شاہی کے عذابوں سے نجات دلائی تھی لیکن (۱۹۷۰ء) میں وہی انسان طبقوں سے نکل کر فرقوں میں بٹ گیا ہے۔

ساحر اپنی نظم کے پہلے حصے ''لینن ۱۹۱۷ء'' میں لینن کو خراج تحسین یوں پیش کرتے ہیں:

اخلاق پریشاں تھا، تہذیب ہراساں تھی
بدکار حضوروں، سے بدنسل جنابوں سے
عیار سیاست نے ڈھانپا تھا جرائم کو
ارباب کلیسا کی حکمت کے نقابوں سے
انساں کے مقدر کو آزاد کیا تو نے
مذہب کے فریبوں سے شاہی کے عذابوں سے ۴

لیکن لینن ۱۹۷۰ء میں اشتراکیت کی فکری تقسیم اور انتشار کے پیش نظر فرماتے ہیں۔

کیا جانیں تری امت کس حال کو پہنچے گی
بڑھتی چلی جاتی ہے تعداد اماموں کی
ہر گوشۂ مغرب میں، ہر خطۂ مشرق میں
تشریح دگرگوں ہے اب تیرے پیاموں کی
طبقوں سے نکل کر ہم فرقوں میں نہ بٹ جائیں
بن کر نہ بگڑ جائے تقدیر غلاموں کی ۵

علی سردار جعفری ترقی پسند تحریک کے اہم شاعر اور اشتراکی فلسفہ کے زبردست مبلغ تھے۔ چنانچہ انھوں نے برملا لینن اور اسٹالن کے ترانے گائے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید علی سردار جعفری کی پہچان ترقی پسند تحریک کے وسیلے سے ہی ہوتی ہے۔ سردار جعفری کو مارکسی فلسفے نے نیا شعور عطا کیا تھا اور انھوں نے اپنے شعری عمل کو بالعموم اشتراکیت کے مقاصد کے حصول کا وسیلہ بنایا۔ ان کی شاعری اشتراکیت کا کھلا پروپیگنڈہ ہے اور ان کے مصرعوں کا سپاٹ پن اور نثری انداز کھٹکتا ہے۔ ۳۶ علی سردار جعفری اشتراکی انقلاب پر ''جشن بغاوت'' مناتے ہیں۔

ساتھیو لال سلام:

آج ٹکرائے ہیں ایوانِ حکومت سے عوام
آج آقاؤں کی گردن پہ جھپٹتے ہیں غلام

آج ہے خاک بسر ظلم تشدد کا نظام
آج شاعر کی زباں پر ہے بغاوت کا پیام
ساتھیو لال سلام
آج ہر گام پہ سو سرخ علم لہراؤ
گاؤ استالن و لینن کے ترانے گاؤ
اک ایڑ اور بھی رہوار بغاوت کو لگاؤ
لکھ دو پیشانی تاریخ پہ مزدور کا نام
ساتھیو لال سلام ۳۷؎

علی سردار جعفری نے اپنی نظموں 'سوویت یونین اور جنگ باز'، استالن کتھا، میں بھی لینن اور اشترا کی انقلاب کی برکتوں اور بہاروں کے گیت گائے ہیں۔

سوویت روس کے انقلاب نے اس دور کے تمام حریت پسندوں کو شاد کام کیا حسرت موہانی کی اس دور کی غزل بھی ان اثرات سے خالی نہیں ہے۔

دستور کے اصول مسلم ٹھہر چکے
شاہی بھی رام غلبۂ جمہور ہو چکی
سرمایہ دار خوف سے لرزاں ہیں کیوں نہ ہوں
معلوم سب کو قوتِ مزدور ہو چکی ۳۸؎

انقلاب روس نے دنیا بھر کی محکوم عوام کے لیے امیدوں کے چراغ روشن کر دیے۔ لوگ طوقِ غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ بے کاری جہالت پسماندگی اور غلامی کی پسی ہوئی مخلوق کی آنکھوں میں اعتماد کی چمک آ گئی۔ ان حالات نے ادبا کو بھی حقیقت نگاری کی طرف مائل کر دیا۔ زندگی کے مسائل ادب میں منعکس ہونے شروع ہو گئے۔ ظہر کاشمیری کی نظم ''انقلاب روس'' اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ اس انقلاب نے کسی طرح ڈوبتی نبضوں کو حرارت بخشی۔

یک بیک...... سرخیِ افکار کا لاوا پھوٹا
اسقف وزار کے دامن کو جلانے کے لیے
پابہ زنجیر غلاموں نے کیا عزم جہاد
اپنی لاشوں پہ نئے شہر بسانے کے لیے
وقت کی ڈوبتی نبضوں میں حرارت آئی
زرد چہروں نے لیا قوت شاہی سے خراج
ایک مجبور سی تدبیر بدل سکتی ہے

خوف وبیداد کا راج۔ آتش و آہن کا رواج
روس! یہ دور تیرے نام سے پائندہ ہے
تیرے بیٹوں نے کیا نعرۂ جمہور بلند
ظاہراً قافلہ مور و ملخ تھے لیکن
ڈال دی قصرِ سلیماں پہ عزائم کی کمند [۳۹]

حبیب جالب عملی طور پر سیاست میں حصہ لینے والے شاعر تھے۔ چنانچہ وہ ایوب خان کی آمریت ہو یا ضیاء الحق کا مارشل لاء وہ قید و بند اور جبر وستم سے بے نیاز اپنے نظریات کا اظہار کرتے رہے۔ لہٰذا اپنے فطری جھکاؤ کے باعث مجبوروں اور محکوموں کی ہر تحریک کے حامی و مددگار رہے۔ مارکسزم کی تحریک نے انقلابِ روس کی صورت میں اپنے ثمرات پیش کیے تو حبیب جالب بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اپنی نظم ''نذرِ مارکس'' میں مارکسزم کو ہر دکھ کا مداوا قرار دیتے ہیں۔

یہ جو شب کے ایوانوں میں اک ہلچل اک حشر بپا ہے
یہ جو اندھیرا سمٹ رہا ہے یہ جو اجالا پھیل رہا ہے
یہ جو ہر دکھ سہنے والا دکھ کا مداوا جان گیا ہے
مظلوموں مجبوروں کا غم یہ جو مرے شعروں میں ڈھلا ہے
یہ جو مہک گلشن گلشن ہے یہ جو چمک عالم عالم ہے
مارکسزم ہے مارکسزم مارکسزم ہے مارکسزم ہے [۴۰]

جالب کی نظم ''اکتوبر انقلاب'' بھی اسی نقطہ نظر کی تائید کرتی ہے کہ روس کے انقلاب نے شہنشاہوں سے اقتدار چھین کر مزدور اور محنت کش کو بخش دیا ہے۔ خلق خدا کا راج اسی انقلاب کی دین ہے۔ اس نے ظلم کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔

اس انقلاب سے انسان کا بول بالا ہوا
اس انقلاب سے کٹیاروں میں اجالا ہوا
اس انقلاب سے محنت کشوں کا راج آیا
اس انقلاب سے انصاف کا سماج آیا
اس انقلاب نے تقدیر کو پچھاڑ دیا
ہر ایک جبر کی بنیاد کو اکھاڑ دیا [۴۱]

ثاقب رزمی نے سوویت اشتراکی انقلاب کو نظام نو کی بشارت کا پیغام کہہ کر خوش آمدید کہا۔ جبر واستحصال کی سلطنت اسی انقلاب کے باعث زیر وزبر ہوئی۔ اس انقلاب نے جذبہ آزادی کی وہ مشعلیں روشن کیں کہ دلفگار کوئے نگار حریت پر پروانہ وار لپکے۔

ہمکتی کرنیں، ابھرتی کرنیں
تحرکِ بے کراں سے سرمست
لمحہ لمحہ تڑپتی کرنیں
تمام سمتوں کو جا رہی ہیں
ہر ایک وادی میں اڈے
صدیوں کے جابرو جاں گسل اندھیروں پہ چھا رہی ہیں
شکستہ حالوں کے
غم کدوں، مجسوں کے در کھٹکھٹا رہی ہیں
مہیب یاس والم میں ڈوبے
سلاسل جبر میں سسکتے
تمام زندانیوں کی جانب
نظام نو کی نئی بشارت کا ایک پیغام لا رہی ہیں
طلسمِ لمحات دیدنی ہے
جہاں کی مظلوم وادیوں میں
ستم کے مجس، جفا کے زنداں
تلاطم جہد حریت میں بکھر کے معدوم ہو رہے ہیں
الم نصیبو پہ ہجر کی رات ڈھل چکی ہے
نئے سکوں کی نئی سحر جگمگا رہی ہے ۴۲؎

انقلابِ روس نے دنیا پر گہرے سیاسی اثرات مرتب کیے۔ دو قطبی نظام ابھر کر سامنے آ گیا۔ سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ بعدازاں چین شمالی کوریا اور کیوبا میں کیمونسٹ حکومتوں کا قیام عمل میں آیا۔ عین اس زمانے میں ہندوستان میں بھی بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔ ہندوستان برطانیہ سے آزادی کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء کا انقلاب ایک امید کی کرن بن کر سامنے آیا جس نے ادبی دنیا میں بھی ایک ہلچل پیدا کر دی۔ ہندوستان میں اس کے اثرات ترقی پسند تحریک کی صورت میں سامنے آئے۔ تحریک کا ایک باضابطہ منشور بنایا گیا اور ادیبوں کی ایک بڑی تعداد اس دھارے میں شامل ہو گئی۔ وہ ادیب جو باقاعدہ تحریک کا حصہ نہ بنے وہ بھی انقلاب کو بنظرِ تحسین دیکھتے تھے۔ چنانچہ زندگی کے تلخ حقائق کا بیان، زندگی گریز رومانوی رویوں پر غالب آنا شروع ہو گیا۔ ''ادب اور زندگی'' کی بحثیں چھڑ گئیں اور ''دلے لفروختم جانے خریدم'' کی سوچ فروغ پذیر ہوئی۔

حوالہ جات وحواشی:

1. ڈیرک او برائن۔ دنیا کے تمام ممالک۔ مترجم؛ محمد اختر، لاہور: دارالشعور، ۲۰۰۹ء ص ۴۶۵۔
2. ڈیرک او برائن۔ دنیا کے تمام ممالک۔ ص ۴۶۳
3. ایضاً۔ ص ۴۶۴
4. لینن۔ اقوام مشرق کی تحریک آزادی۔ ص ۲۹۸
5. عبداللہ ملک۔ داستان دارورسن۔ لاہور: کوثر پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص ۱۴
6. Alexender N. Yakovlev. ***A century of violence in Soviet Russia***. New Haven and London: Yale University press, 2002, p.183.
7. محمد مجیب۔ روسی ادب۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت دوم، ۱۹۹۲، ص ۱۱۔
8. پروفیسر وہاب اشرفی۔ تاریخ ادبیات عالم۔ جلد سوم۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۶ء، ص ۳۴۹۔
9. بحوالہ، محمد مجیب۔ روسی ادب۔ ص ۸۲۔
10. ایضاً۔ ص ۱۰۵۔
11. ایضاً۔ ص ۱۰۶۔
12. محمد علی صدیقی۔ توازن۔ کراچی: ادارہ عصر نو، ۱۹۷۶ء، ص ۵۳۔
13. بلوک۔ مترجم؛ محمد مجیب۔ روسی ادب۔ ص ۲۷۵۔
14. محمد مجیب۔ روسی ادب۔ ص ۲۷۵۔
15. محمد مجیب۔ روسی ادب (حصہ اول)۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، دوسری اشاعت ۱۹۹۲ء ص ۲۷۶۔
16. آننا آخما تووا۔ مترجم؛ محمد مجیب۔ روسی ادب۔ ص ۲۷۶۔۲۷۷
17. امرتا پریتم۔ ایک اداس کتاب۔ مترجم؛ احمد سلیم۔ کراچی: استعارہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۲۱۔
18. Henery Arvon. ***Marxist Esthetics***. London: Corrnell Univeristy Press, 1973,p.59۔
19. مایاکوفسکی۔ مترجم؛ امرتا پریتم۔ مشمولہ، ایک اداس کتاب۔ ص ۲۲۔
20. سوویت یونین کے پندرہ شاعروں کا منتخبہ کلام۔ ماسکو: دارالاشاعت ترقی۔ ۱۹۷۴ء، ص ۱۱۔
21. محمد مجیب۔ روسی ادب۔ ص ۲۰۳۔
22. ریل۔ یے۔ یف۔ مترجم؛ محمد مجیب۔ روسی ادب۔ ص ۲۰۳۔

23. اوسپ منڈل سٹام۔مشمولہ، **گونج**۔ مرتب؛ گوہر سلطان اعظمی۔ لاہور:استعارہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص۲۱۵۔۲۱٦۔
24. بریوسوف۔مترجم؛محمد مجیب۔**روسی ادب**۔ص۲۷۸۔
25. بحوالہ محمد محمد مجیب۔**روسی ادب**۔ص۲۲۹۔
26. محمد مجیب۔**روسی ادب**۔ص۲۷۷۔
27. علامہ محمد اقبال۔**کلیات اقبال**۔ص۴۵۱۔
28. پروفیسر وہاب اشرفی۔**تاریخ ادبیات عالم**۔جلد ششم،ہفتم،اسلام آباد:پورب اکادمی،۲۰۰٦ء،ص٦۴
29. علامہ محمد اقبال۔**کلیات اقبال**۔ص۴۳٦۔
30. ایضاً۔ص۴۳۷۔
31. ساحر لدھیانوی۔**کلیات ساحر**۔لاہور:علم وعرفان پبلشرز،۲۰۰۴ء۔ص۸۳۔
32. ایضاً۔ص۸۸۔
33. ایضاً۔ص۱۰۸۔
34. ایضاً۔ص۲۱۸۔
35. ایضاً۔ص۲۱۹۔
36. ڈاکٹر انور سدید۔**اردو ادب کی تحریکیں**۔کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۹۹ء۔ص ۵۱۵۔
37. علی سردار جعفری۔**کلیات علی سردار جعفری**۔ص۴۳۴۔
38. حسرت موہانی۔**کلیات حسرت موہانی**۔ص۴۵٦۔
39. ظہیر کاشمیری۔**عشق و انقلاب**۔لاہور:الحمد پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء۔ص ۳۷۔
40. حبیب جالب۔**کلیات حبیب جالب**۔لاہور: ماورا، ۲۰۰۷ء،ص۳۰۵۔
41. ایضاً۔ص۳۷۵۔
42. ثاقب رزمی۔**روداد ستم**۔ص٦۰۔